بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ

نظرات

تحقیق اور آدابِ خود آگاہی

کہا جاتا ہے کہ اسلامی تحقیقات کے میدان میں ہم نے پاکستان میں مجموعی طور پر کوئی تخلیقی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ اس کے کیا اسباب ہیں ؟ اس پر کبھی ابھی تک ہمارے اربابِ دانش نے تفصیل سے نہیں لکھا کہ تحقیق کی راہ میں حائل دشواریوں پر قابو کیوں کر پایا جائے ۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی اکثر سننے میں آئی ہے کہ تقسیم کے بعد ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں اسلامیات پر جو کام ہُوا ہے وہ اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے ہمارے کام سے کہیں زیادہ وزنی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ معاشی اور اقتصادی مشکلات ریسرچ کی راہ میں حائل ہیں شاید درست نہ ہوگا کیونکہ بھارت میں ہمارے مسلم دوست معاشی طور پر ہم سے بہتر نہیں ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تحقیق کے لئے جس پُرسکون علمی ماحول کی ضرورت ہے جہاں آدمی آزادی کے ساتھ بےخوف و خطر کام کر سکے وہ یہاں مفقود ہے۔ یہ بات شاید کسی حد تک درست ہے کیونکہ شعوری یا لاشعوری طور پر ہمارے اہلِ علم یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ غور و فکر اور مطالعہ و مشاہدہ کے بعد اخلاص سے جن نتائج پر پہنچے ہیں اگر اُنہیں سپردِ قلم کر دیا جائے تو کچھ تعجب نہیں کہ اُنہیں بعض مذہبی حلقوں کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑے یا اُنہیں اپنے ذریعۂ معاش ہی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ یہ بات واقعی افسوسناک ہے کہ ہمارے علمی اور مذہبی حلقے اس سلسلے میں اس احساسِ خطر کو دُور کرنے میں کوئی اچھی اور پائیدار روایت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ کیونکہ اختلافِ رائے کی بنا پر کسی کے خلاف ہنگامہ آرائی نہ صرف دین کے الہامی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ علمی اور فکری ترقی کے لئے بھی انتہائی خطرناک بات ہے۔ تحقیقی امور میں مخالف کے افکار کو دلائل کے ساتھ بے بنیاد ثابت کرنا چاہیئے —— ورنہ ہنگامہ آرائی جس کے ہاتھوں سے صدیوں تک بڑے بڑے فلسفی، فقہاء، علماء اور صوفیاء نے جامِ شہادت پیا ہے، دراصل غرورِ نفس، جہالت اور تعصب کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے۔

اہلِ علم کی اس بےبسی کا احساس پہلے بھی تھا اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک پُرانے عالم نے کہا تھا کہ سچائی کو پسِ پردہ دھکیلنے میں جن دو چیزوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہلِ علم کو علماءِ سوء، جابر

سلاطین اور عوام کے ہنگامہ پرور شیاطین سے ہمیشہ خوف لاحق رہا۔ ان لوگوں نے اگر کبھی کچھ لکھا بھی تو خوف فسادِ خلق سے رمز و کنایہ میں لکھا، جس کی تعبیر و تشریح میں ان کے نام پر جہالت کو پھیلایا گیا۔ بہرکیف یہ خوف بقول بعض دوستوں کے ہمارے پڑوسی ملک میں نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ بھارت ایک "سیکولر" ریاست ہے جس کی وجہ سے کسی مسلم سکالر کے خلاف مسلمانوں کا کوئی مذہبی گروہ حکومت پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ خود مصر میں اہلِ نظر کو اسی آزمائش سے گزرنا پڑا ہے۔ ایک وقت تھا کہ مذہب کی تشریح میں علماء ازہر اپنے آپ کو واحد نمائندہ قرار دیتے تھے اور جو آدمی ان کی رائے سے اختلاف کرتا اسے ابتلاء کی ہر منزل سے گزرنا پڑتا۔ علی عبدالرازق کو اپنی کتاب "الاسلام و اصول الحکم" کی بنا پر ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا، اور طٰہٰ حسین کو اپنے افکار کی بنا پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ہنگامہ آرائیوں کی ایک جھلک مصطفیٰ صادق رافعی کی کتاب "تحت رایۃ القرآن" میں پڑھی جا سکتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ طٰہٰ حسین نے ایک دفعہ یہ لکھا کہ جب ریاست سرکاری طور پر کسی مذہب کو اپناتی ہے تو اس سے خود مذہب کو نقصان پہنچتا ہے، اور ایک مذہبی جماعت اس کے پردے میں اختلافِ رائے کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ مذہبی اور علمی رہنماؤں سے ہماری یہ درخواست ہے کہ انہیں دین کی مقدس ناموس کی خاطر ایک پُرامن فضا تیار کرنے میں بنیادی کردار ادا کرنا چاہیئے جس میں ایک آدمی پوری آزادیٔ فکر کے ساتھ بے خوف و خطر اپنی مذہبی اور فلسفیانہ رائے کا اظہار کر سکے۔ اور اگر وہ رائے کسی کے نزدیک غلط ہو تو اسے دلیل کے ساتھ ٹھکرانے کی صحت مند روایت قائم کی جائے۔ اگر ہم ایسی فضا کو قائم کرنے میں ناکام رہے جس میں دین اور فلسفہ یا وحی اور عقل دونوں سوسائٹی کی تشکیلِ نو میں اپنا کردار ادا کر سکیں تو یہ ایک بہت بڑا المیہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہم کسی خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں بلکہ شرق و غرب کے مشاہدہ و مطالعہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے معاشرے کی بقا ان پاکیزہ اخلاقی اور روحانی قدروں میں مضمر ہے۔ جن کے سوتے دین کے چشمۂ صافی سے پھوٹ رہے ہیں۔ صنعتی انقلاب نے انسان کو جس طرح سے مشین کا غلام بنایا ہے اور مادیت نے جس انداز سے انسان کے لطیف جذبات کو کچلا ہے۔ اس المیہ سے بچنے کے لئے ہمیں اپنی دینی قدروں اور مشرق کی صحت مند روایات کو اپنانا از بس ضروری ہو گیا ہے۔ لیکن یہ کیسے ہو؟ اس کے لئے ہمیں خود اپنے مروجہ مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی نظام کا تنقیدی جائزہ لینا چاہیئے۔ اسی تنقیدی محاسبے اور جائزے کا نام تحقیق ہے۔ مائیکل انجلو نے کہا تھا کہ مجسمہ ساز بُت کو سنگِ مرمر تراش کر نہیں بناتا بلکہ بُت ابتداء ہی سے مرمر میں موجود ہوتا ہے اور جلوہ نمائی کا منتظر۔ ماہرِ فن اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ بُت کے چہرے سے پتھر کی عارضی نقاب کو الٹ دیتا ہے۔ اسلامی تحقیق بھی اس کے سوا

کچھ اور نہیں ہے کہ جہالت، نفاق اور غرورِ نفس نے حقیقت کے چہرے پر جو پردے ڈال رکھے ہیں، ان کو چاک کر دیا جائے اور انسان کے سامنے ایک واضح اور بلند نصب العین کی راہ کھول دی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں احساسِ خطر ریسرچ کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے لیکن وہاں اخلاقی جرأت، استقامت اور مشقت و محنت کے فقدان نے بھی ریسرچ کو غیر معمولی نقصان پہنچایا ہے۔ پاکستان ہی نہیں دنیا کے بازار میں بھی ہمارے اہلِ علم اپنی تن آسانی کی وجہ سے کوئی مقام پیدا نہیں کر سکے۔ البتہ یہ بات ہماری علمی زندگی کے لئے نیک شگون ہے کہ ملک کے اہلِ دانش کو اپنی اس کوتاہی کا احساس ہے اور علمی دُنیا میں مثبت تحقیق کے نہ ہونے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کو پُر کرنے کی پاکیزہ خواہش ہمارے دلوں میں مچل رہی ہے۔ بہر نوع ہمیں سچائی کی تلاش کے لئے ان مشکلات پر قابو پانا ہو گا جو مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے رونما ہوتی ہیں خواہ وہ موروثی عقائد ہوں یا سماج کے رسم و رواج یا قومیت اور نسل کے جھوٹے تصورات یا ہماری تن آسانی و خود غرضی، کیونکہ سچائی ایک عالمگیر حقیقت ہے جو کسی طاقت کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتی۔ اس سچائی کا سراغ پانے کے لئے ہمیں محنت، اخلاص اور جرأت سے کام کرنا ہو گا۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہونا چاہیئے کہ ہم نہ صرف اسلام کے بلند پایہ مفکرین کی روایات کے وارث ہیں بلکہ ہم گیلیلو اور نیوٹن کے قبیلے سے بھی تعلق رکھتے ہیں، یہ احساس ہمیں خود شناسی، خود اعتمادی اور عزتِ نفس عطا کرے گا۔ آج اجتماعی زندگی میں مختلف عوامل اور اسباب کی بنا پر اساتذہ کرام یا سکالر حضرات کے وقار اور اعتماد کو نقصان پہنچا ہے، اس وقار کو ہم خود شناسی اور محنت ہی سے بحال کر سکتے ہیں اور حالات کو سازگار بنانے کے لئے ہمیں خود ہی کام کرنا ہو گا۔ شاید جلال الدین رومیؒ نے کہا ہے کہ

"جہنم سرد ہے ہر آنے والا اپنی آگ خود اپنے ساتھ لائے گا"

اگر آج ریسرچ کے لئے فضا سازگار نہیں تو کوئی ڈر نہیں، ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہیئے کہ کہیں وہ تو سرد نہیں ہو گئے۔ اگر ان میں گرمی اور حرارت باقی ہے تو پھر ہمیں مزید وقت ضائع کئے بغیر ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ اپنے کام کی ابتدا کر دینی چاہیئے۔